© rasailojaraid.com

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

شاہ ولی اللہ رح کا مجاہدانہ اور قائدانہ کارنامہ

اٹھارویں صدی عیسوی کا ہندوستان سیاسی و انتظامی اور اخلاقی حیثیت سے انحطاط و پستی، بدنظمی و طوائف الملوکی اور انتشار و اضطراب کے اس نقطے پر پہنچ گیا تھا جس کو کسی معاشرہ و نظام کا دم واپسیں یا حالت احتضار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، مغلیہ سلطنت ایک حکمراں خاندان کے طویل ترین اور قوی ترین اقتدار کی علامت بن کر رہ گئی تھی جس کے پیچھے نہ کوئی طاقت تھی و سلیقہ نہ حوصلہ، اس وقت پورے ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی تین نوخیز جنگی طاقتیں تھیں مرہٹے، سکھ اور جاٹ۔

مرہٹے جن کی سرگرمیاں پہلے دکن میں محدود تھیں اور جن کی حیثیت ایک منظم قانونی حکومت کے خلاف ایک احتجاجی گروہ اور چھاپہ مار طاقت سے زیادہ نہ تھی، مرکزی حکومت کی روزافزوں کمزوری، طالع آزما سرداروں کی باہمی زور آزمائی اور امرائے سلطنت کی کوتاہ نظری کی وجہ سے ایک ایسی ہندگیر طاقت بن گئے جو دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے اور اس خلا کو پُر کرنے کا خواب دیکھنے لگے جو مغلوں کی فوجی طاقت کی کمزوری اور ان کی ناانتظامی نااہلی نے پیدا کر دیا تھا۔

ہولکر اور رگھوناتھ راؤ نے جاٹوں کی مدد سے ۱۷۵۷ء میں دہلی پر حملہ کر دیا۔ نجیب الدولہ کو مجبور ہو کر صلح کرنی پڑی ۱۷۵۸ء میں انھوں نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ صفدر جنگ کے اشارہ و مدد سے مرہٹے دوآبہ میں داخل ہوئے پھر ۱۷۵۸ء میں داتاجی سندھیا نے دکن سے آکر سارے ہندوستان کو فتح کر لینے کا بیڑہ اٹھایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نے پہلے روہیل کھنڈ اور پھر اودھ کا رُخ کیا۔ ۱۷۵۹ء میں جب دریا قابل عبور ہوئے تو اس نے گوبند رائے بندیلہ کو بیس ہزار لشکر کے ساتھ روہیل کھنڈ میں اتار دیا۔ اس نے رام گنگا سے اتر کر امروہہ تک ملک کو لوٹ لیا، ۲۴ جون ۱۷۶۰ء کو مرہٹے دہلی داخل ہوئے، یعقوب علی خاں قلعہ دار نے قلعہ حوالہ کر دیا، بھاؤ نے قلعہ کی قلعہ داری شنکر راؤ کے سپرد کی اس نے دیوان خاص کی نقرئی اور سیمیں چھت کو اتار لیا اور ٹکسال میں بھیج دیا، شاہ جہاں ثانی کو معزول کر کے مرزا جواں بخت خلف شاہ عالم عالی گہر کو تخت پر بٹھایا گیا، اس کی خواہش تھی کہ خود تیموری تخت پر جلوہ افروز ہو اور وہ ایسا کر سکتا تھا مگر لشکر کے دانش مندوں نے اس کو اس ارادے سے باز رکھا کہ اس سے بلادرے ملک میں شورش برپا ہو جائے گی، اور رعایا تخت بابری پر کسی مرہٹہ سردار کو بیٹھا دیکھ کر آسانی سے برداشت نہیں کر سکے گی، اس وقت مرہٹوں کی عمل داری کو جو وسعت حاصل تھی، وہ نہ اس سے پہلے کبھی حاصل تھی نہ اس کے بعد ہوئی۔ ان کی سلطنت ہمالیہ سے انتہائے جنوب تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور تین لاکھ لڑنے والے سپاہی ان کے جھنڈے کے نیچے اور زیر قیادت تھے، علاوہ قلعہ شکن توپوں کے دو سو توپیں ان کے پاس تھیں بایں ہمہ مرہٹوں کا مزاج شاہانہ اور ذمہ دارانہ نہ تھا، ہندوستان کے ایک مورخ کے بقول

"وہ آدھے بادشاہ اور آدھے راہ زن تھے"[1]

رعایا پروری، ہمدردی خلائق، شاندار تاریخی پس منظر، اعلیٰ اور واضح تعمیری و سیاسی مقاصد سے وہ نابلد تھے۔ جارحیت، فیصلوں میں عجلت، عدم رواداری، لوٹ کا مال اور اس کی جھٹ ان کی کمزوری تھی، ان کی ہنگامہ آرائیوں سے ہندو مسلمان سبھی متاثر تھے، دیہاتوں کو بے دردی سے لوٹنا، لوگوں کے ہاتھ ناک کان کاٹ لینا ان کے لئے کوئی غیر معمولی بات نہ تھی بلا تفریق مذہب و ملت عورتوں کا پورا طبقہ ان حملہ آوروں کی نفسانی ہوس کا شکار بنتا تھا[2] جو لوگ ان کے رحم و کرم پر ہوتے وہ ان سے چوتھ وصول کرتے تھے[3]

---

[1] تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی (جلد ۹) ص ۳۰۴

(۲) تفصیل کے لئے دیکھئے جادو ناتھ کی کتاب "فال آف دی مغل ایمپائر" اور PISSURLEN: PORTUGUESES P.49 وغیرہ

[3] سب سے پہلے شیواجی نے چوتھ وصول کیا جو لگان کا چوتھائی تھا۔ چوتھ دوسری ریاستوں سے ان کی حفاظت یا حملہ نہ کرنے کے لئے وصول کرتے تھے جبکہ اپنی مملکت میں کسانوں سے پیداوار کا تیس فیصد لیا کرتے تھے جو بعد میں بڑھ کر چالیس فیصد ہو گیا تھا۔

© rasailojaraid.com

آخر کار ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کی افغان فوجوں، نواب نجیب الدولہ کے روہیلہ سپاہیوں اور نواب شجاع الدولہ کے لشکر کی متحدہ طاقت سے مرہٹوں کو شکست فاش دی، پانی پت کے میدان میں آخری فیصلہ ہونے سے پہلے اور حالات کی نزاکت کا خیال کرکے انھوں نے نواب شجاع الدولہ کی معرفت (جو اس سے پہلے مرہٹوں کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے) کوشش کی کہ شاہ ابدالی سے صلح ہو جائے، شجاع الدولہ جو ان کی طمع و حرص اور بدعہدی کا بڑا تلخ تجربہ رکھتے تھے لکھا کہ:

”ایسوں کے ساتھ کوئی کیا صلح کرے جو کسی کی آبرو اور آسائش کے روادار نہ ہوں، ان کے ہاتھوں سے سب ایسے عاجز ہوئے کہ انھوں نے اپنے پاس ناموس اور حفظ آبرو اور رفاہ خلائق کے لئے شاہ ابدالی کو منتیں کرکے بلایا اور اس کے صدمات کو مرہٹوں کی ایذا رسانی سے سہل سمجھا“ [۴]

اس زمانے کی دوسری بڑی طاقت سکھوں کی تھی یہ پنجاب کا ایک مذہبی گروہ تھا جس کی بنیاد پندرہویں صدی عیسوی میں گرو بابا نانک کے ہاتھوں پڑی۔ بعض روایات کے مطابق وہ متعدد مسلمان درویشوں کی صحبت میں رہے۔ ان میں پیر جلال میاں مٹھا، شاہ شرف الدین، پیر عبدالرحمٰن اور پاک پتن کے فرید ثانی اور شاہ ابراہیم کے نام خاص طور پر لئے گئے ہیں، کہا جاتا ہے کہ بابا نانک نے بغداد و حرمین شریف کا سفر بھی کیا۔ مسلمان بادشاہوں نے اس فرقے کو نوازا اور جاگیریں عطا کیں۔ اس فرقے کے ایک رہنما گرو ارجن نے باغی شہزادہ خسرو کو مالی امداد کی تو جہانگیر نے ان کو قتل کرا دیا[۵]۔ ان کے جانشین ہرگووند نے علانیہ عملی مدافعت و مزاحمت کا طرز عمل اختیار کیا یہیں سے سکھوں کی فوجی زندگی کا آغاز ہوا، انھوں نے ایک مضبوط قلعہ بنایا جہاں سے نکل کر وہ میدانی علاقوں میں تاخت کرتے تھے۔ شاہ جہاں کی تخت نشینی کے بعد انھوں نے کھلم کھلا سرکشی اختیار کی اور حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ اورنگ زیب کے زمانے میں ہرگووند کے بیٹے تیغ بہادر گرو منتخب ہوئے انھوں نے مفروروں اور قانون شکنوں کو پناہ دی آخر انھیں بھی سزائے موت دی گئی[۶]

---

[۴] تاریخ ہندوستان (جلد ۹) ص ۳۰۵ [۵] گرو ارجن کو حقیقت میں چندو لال نے ذاتی مخالفت کی بناء پر قتل کرایا تھا۔ جو جہانگیر کے یہاں رسوخ رکھتا تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”تاریخ ہندوستان“ (جلد ۹) ص ۵۲ - [۶] گرو تیغ بہادر کے قتل کی بھی تنہا اورنگ زیب پر ذمہ داری نہیں اس میں ان کے شاغلوں کا ہاتھ ہے (ہنگ سنڈیں ۲۵ دسمبر ۱۹۵۱ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گرو تیغ بہادر کے بعد ان کے بیٹے گووند رائے کو گرو تسلیم کیا گیا انھوں نے سکھوں کو ایک منظم قوم کی صورت میں منظم کرنے کا کام کیا۔ مغل حکومت نے ان کے ساتھ مفاہمت کرنے کی کوشش کی اور انھیں دکن کی فوجی کمان عطا کی۔ انھوں نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا، اور اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ گرنتھ کو وہ اپنا گرو اور خدا کو اپنا واحد محافظ تصور کریں۔ لیکن ان کے بعد بندہ بیراگی نے ان کی جگہ سنبھالی۔ اس کی اصل حیثیت سکھوں کے فوجی قائد کی تھی۔ وہ اصلاً کشمیری راجپوت تھا، جس نے سکھ مت اختیار کیا تھا۔ اس نے پنجاب میں وسیع پیمانے پر رہزنی کی وارداتیں کرنی شروع کر دیں مغلیہ سلطنت کمزور ہو گئی تو سکھوں کو اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کا موقع مل گیا۔ بندہ بیراگی مسلمانوں کو ہزاروں کی تعداد میں بے رحمی سے قتل کرتا تھا۔ اور قصبہ بہ قصبہ لوٹتا ہوا دہلی کے عین قرب وجوار میں جا پہنچا مئی ۱۷۱۰ء میں اس نے سرہند پر دھاوا بولا اور لوٹ مار مچائی، بے گناہوں کو قتل کیا، شاہی فوجوں نے اسے شکست دی لیکن وہ بچ کر پہاڑوں کی طرف نکل گیا۔ فرخ سیر کی تخت نشینی کے بعد سیاسی انتشار اور شاہی خاندان کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر اس نے دوبارہ دہشت انگیزی سے کام لینا شروع کیا آخر ۱۷۱۶ء میں اسے دہلی لا کر قتل کر دیا گیا، سکھوں کے نزدیک بھی وہ کوئی محترم و محبوب شخصیت نہیں تھا، تاہم اس کی قیادت میں سکھ ایک فوجی طاقت بن گئے تھے

فرخ سیر کے عہد میں پنجاب کے مغل گورنر معین الملک نے فرخ سیر کی تعزیر کی حکمت عملی کو جاری رکھا مگر مغلیہ سلطنت کے زوال کی رفتار بہت تیز تھی۔ پنجاب کی حکومت احمد شاہ ابدالی کے پے در پے حملوں کی وجہ سے زیادہ کمزور ہو گئی تھی۔ سکھوں کو دوبارہ اٹھنے اور ابھرنے کا موقع ملا۔ وہ نہ صرف احمد شاہ درانی کے فرزند شاہزادہ تیمور کو جو پنجاب کا حاکم تھا اور جس نے امرتسر پر حملہ کر کے ہر مندر کو منہدم کر دیا اور مذہبی تالاب کو ملبے سے پُر کر دیا تھا، نکالنے میں کامیاب ہوئے بلکہ لاہور پر عارضی طور پر قبضہ بھی کر لیا۔ ان کے فوجی سردار جسا سنگھ کلال نے اپنے نام کا سکہ بھی جاری کر دیا لیکن رگھوبا کے زیر کمان مرہٹوں کی آمد (۱۷۵۸ء) پر وہ لاہور سے نکل گئے احمد شاہ نے پانچویں بار پنجاب کا رخ کیا پانی پت کی مشہور لڑائی کے بعد جس نے مرہٹہ طاقت کی کمر توڑ دی، جونہی اس نے پنجاب چھوڑا، سکھ پھر نکل آئے اور انھوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کر لی۔ احمد شاہ پھر واپس آیا اور لدھیانہ میں (۱۷۶۲ء میں) اس نے سکھوں کو شکست فاش دی لیکن اس کے جانے کے بعد ۱۷۶۳ء میں سکھوں نے سرہند کو تخت و تاراج کر کے ویران کر دیا اور ایک بار پھر لاہور پر قبضہ کر کے خالصہ حکومت کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد سکھ متعدد ریاستوں اور گروہوں میں منقسم ہو گئے ان پر کوئی حاکم اعلیٰ متعین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہتیں تھا اور مذہب سے سوا ان کے درمیان کوئی چیز مشترک نہیں تھی، تیس سال کی اس غیر مستقل صورت حال کے بعد پنجاب میں رنجیت سنگھ کا ستارہ اقبال بلند ہوا۔

بابا نانک اسلامی تعلیمات سے متاثر تھے۔ ان کا عقیدہ توحید، انسانی مساوات اور بت پرستی سے اجتناب اسلام کے اثر کا نتیجہ ہیں۔ یہ اصلاحی تحریک اگر اپنے اصولوں پر سختی سے قائم رہتی تو ضرور ہندوستانی معاشرے میں کوئی انقلابی خدمت انجام دیتی لیکن حکومت وقت کے ساتھ تصادم اور سیاسی عمل و ردعمل نے سکھوں کو مسلم حکومتوں ہی نہیں مسلم عوام نے دور دنفور اوران سے برسر پیکار بنا دیا اور خصوصیت کے ساتھ اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں ان کو ہندوستان کی انتشار انگیز طاقتوں میں ایک اضافہ اور بڑے بڑے شہروں کے پرامن شہریوں کے لئے ایک دہشت انگیز اور زلزلہ خیز طاقت میں تبدیل کر دیا ان کے دور حکومت میں اکثر اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور اقتدار میں خاص طور پر مساجد و مقابر کی بے حرمتی ہوئی، عبادات میں خلل ڈالا گیا اور وہ صورتحال پیدا ہوئی جس کی ترجمانی علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں کی ہے۔

ے خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد
اندراں کشور مسلمانی بمرد

اس صورت حال کے خلاف انیسویں صدی میں حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۸۳۰ء) اور مولانا اسمٰعیل شہید (۱۸۳۰ء) نے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ دانش گاہ سے تعلیم یافتہ اور ان کے فرزند اکبر شاہ عبدالعزیزؒ کے تربیت یافتہ تھے، رنجیت سنگھ کی فوجی حکومت کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور اس سے اپنے اس وسیع و عمیق منصوبے اور مہم کا آغاز کیا جو ہندوستان کو غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرانے، حکومت شرعی کے قیام اور مسلم معاشرے کی اصلاح و تطہیر اور احیائے دین کے لئے شروع کی تھی ؎

جاٹ مرہٹوں کی طرح نہ کوئی منظم فرقہ تھے، نہ سکھوں کی طرح کوئی مذہبی گروہ لیکن مغل سلطنت کی کمزوری، سیاسی انتشار اور عام آبادی کے عدم تحفظ کے احساس نے ان میں ایک طرح کی سلبی و جارحانہ تنظیم پیدا کر دی اور وہ ایک تخریبی اور انتشار انگیز طاقت بن گئے تھے جس کا مقصد قیام سلطنت اور کوئی سیاسی انقلاب نہ تھا، محض بگڑے ہوئے حالات سے عارضی فائدہ اٹھانا، استحصال اور اقتصادی مقاصد کی تکمیل تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہید" جلد اول، سترھواں باب "پنجاب میں مسلمانوں کی حالت" ص ۴۱۳ تا ۴۱۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمنا کے جنوبی علاقہ میں آگرہ سے دہلی تک جاٹ آباد تھے۔ ان کی مشرقی سرحد چنبل تھی، اس علاقے میں ان کی ہنگامہ آرائی کا یہ عالم تھا کہ مرکزی حکومت کا ناک میں دم آگیا تھا۔[1]"

ایک مورخ کا بیان ہے کہ:

"اورنگ زیب کی شمالی ہند سے غیر حاضری کا فائدہ دو منشے جاٹ لیڈروں راجہ رام اور رام چہرہ نے اٹھایا۔ راجا رام کی قانون شکن حرکتوں کو آگرہ کا گورنر خانی خان بھی نہ روک سکا جاٹوں نے راستے بند کر دیئے اور بہت سے علاقوں کو لوٹا۔"[2]

ہر چرن داس مصنف چہار گلزار شجاعی کا بیان ہے کہ

"جب جاٹوں نے پرانی دہلی کو لوٹنا شروع کیا تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے، وہ در بدر گلی بہ گلی مارے مارے پھرتے تھے بالکل اس طرح جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم و کرم پر ہو۔"

مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں کہ:

"آگرہ کے قلعے میں جاٹوں کا تسلط تھا، دہلی سے سومیل پر جاٹوں کا عمل دخل تھا۔ راجا سورج مل بڑا ہوشیار، صف آرائی میں ماہر اور ملک ستانی میں کاروان تھا اس نے آگرہ سے مرہٹہ سردار کو نکال دیا اور میوات پر قبضہ کر لیا اس نے چار نہایت مستحکم قلعے بنائے نجیب الدولہ نے اپنی حسن تدبیر اور بلوچیوں کی مدد سے جاٹوں پر فتح حاصل کی۔ راجا سورج مل نجیب الدولہ کے مقابلے میں دہلی کے قریب مارا گیا۔ اس کے بعد جاٹوں کی ریاست میں بہت سے جھگڑے برپا ہوئے۔ سورج مل کے دو بیٹے مارے گئے۔ تیسرا بیٹا رنجیت سنگھ راجا ہوا، اس کے عہد میں جاٹوں کی ریاست کا بڑا عروج ہوا، جس ملک پر وہ فرمانروائی کرتے تھے اس کے شمال مغرب میں الور اور جنوب مغرب میں آگرہ تھا۔ اس کی آمدنی دو کروڑ روپے کی تھی۔ ساٹھ ہزار فوج اس کے پاس تھی۔"

ان تینوں طاقتوں یعنی مرہٹوں، سکھوں اور جاٹوں سے دہلی ایک ایسا پر ثمر اور غیر محفوظ درخت بن گیا تھا جس پر ہر طرف سے غولی بیابانی حملہ کرتا اور اس کو برگ و بار سے محروم کر دیتا۔ دہلی کے باشندے حملہ آوروں کے لئے "خوان یغما" بن گئے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ۱۷۳۲ء میں حجاز سے دہلی پہنچ چکے تھے۔ ان کے دہلی پہنچنے سے پانچ سال بعد یعنی ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ کا دلی پر وہ حملہ ہوا تھا جس نے سلطنت مغلیہ کی چولیں ہلادیں اور

[1] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات از پروفیسر خلیق احمد نظامی، ص ۱۷۵، [2] تاریخ اورنگ زیب از سر جدو ناتھ سرکار (جلد پنجم) ص ۲۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دلی کی خاک اڑا دی ۔ اس حملے نے دلی کے غیرت مند شہریوں اور شریف خاندانوں کے دل و دماغ پر وہ گہرا ڈالا کہ وہ زندگی سے بیزار اور شرمسار اور اپنے ہاتھوں اپنی موت کا سامان تیار کرنے کے لئے تیار تھے ۔ اس موقع پہ شاہ صاحب نے مسلمانوں کو واقعہ کربلا اور سیدنا حسینؓ کے مصائب یاد دلا کر اس ارادے سے باز رکھا ۔

سیاسی انتشار کے اس زمانے میں وہ گوشہ نشین ہو کر تصنیف میں مشغول ہو گئے اس کے ساتھ ہی وہ عام شہریوں کی عزت و ناموس کی محافظ، انتشار انگیز طاقتوں کو ختم کرنے والی، مستحکم و خوش حال سلطنت کے قیام کے لئے بھی ساعی و سرگرم تھے اور اس سلسلے میں بھی وہ ایسا قائدانہ کردار ادا کر رہے تھے جو بڑے سے بڑا سیاسی مبصر ادا کر سکتا تھا ۔ انھوں نے اپنے علمی مشاغل اور احیاء و تجدید کی مساعی کے ساتھ ایسے سیاسی تدبر، ایسی ذہانت اور بلند نگاہی سے کام لیا کہ اگر مغلوں میں کچھ بھی صلاحیت یا امرائے سلطنت میں ہمت اور سیاسی شعور ہوتا تو ہندوستان نہ صرف تنگ نظر اور انتشار پسند ملکی حوصلہ آزماؤں سے محفوظ ہو جاتا بلکہ انگریزوں کے اس تسلط سے بھی محفوظ ہو جاتا جس نے انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان کو کمزور اور میدان کو خالی پا کر اپنے قدم جمائے اور برطانوی سلطنت میں نہ صرف شامل کیا بلکہ اس سے وہ قوت اور وسائل حاصل کئے جس نے دنیا کی پوری سیاست پر اثر ڈالا، اور مسلم اور عرب ممالک پر قدم جمایا ۔

شاہ صاحب کی آنکھوں نے مغلیہ سلطنت کا عہد زوال اور فرخ سیر اور محمد شاہ کے زمانے کی بدنظمی، طوائف الملوکی، راستوں کی بدامنی، بلا تفریق مذہب و ملت اہل ملک کی جان و مال، عزت و آبرو کا عدم تحفظ اور انسانی خون کی ارزانی، شعار اسلام کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی مجبوری اور بے بسی کا نظارہ دیکھا تو ان کا احساس دردمند دل خون کے آنسو رویا، اس کا اندازہ ان کے بعض خطوط سے ہوتا ہے مثلاً ایک خط میں لکھتے ہیں:

"اس کے بعد سے سورج مل کی شوکت ترقی پا گئی، دہلی سے دو کوس کے فاصلے سے لے کر آگرہ کے آخر تک طول میں اور میوات کی حدود سے فیروز آباد اور شکوہ آباد تک عرض میں سورج مل قابض ہو گیا۔ کسی کی طاقت نہیں کہ وہاں اذان و نماز جاری کر سکے"۔

ایسی حالت میں شاہ صاحب صرف تماشائی نہ رہ سکتے تھے، انھوں نے اہل اقتدار کو اس طرف متوجہ کیا، بادشاہوں اور امیروں کو صلاح و مشورے دیئے اور ملک و قوم کی بہتری کی تدبیریں کیں ۔ اپنے معتمد اور محبوب مرید اور برادر نسبتی شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"جمعرات کے دن بادشاہ حضرت نظام الدین اولیا اور دیگر مشائخ کے مزارات کی زیارت کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے سوار ہو کر گیا تھا، مجھے پہلے سے اطلاع دے بغیر کابلی دروازے سے سادہ تخت پر سوار ہو کر غریب خانے پر وارد ہوا، فقیر کو کوئی اطلاع ہی نہ تھی، مسجد میں بوریوں پر آکر بیٹھ گیا، اس قدر توقیر سلطان کرنا لازم ہوئی کہ فقیر جس مصلے پر بیٹھتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے اس کو اس طریقے سے بچھا دیا گیا کہ اس کی ایک جانب میں بیٹھ گیا اور دوسری جانب بادشاہ، بادشاہ نے اول معانقہ کیا بڑی تعظیم کے ساتھ، بعد ازاں کہا میں مدت سے آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا لیکن آج اس جوان کی رہنمائی میں یہاں پہنچا ہوں، اشارہ وزیر کی طرف کیا، پھر کہا کہ غلبہ کفر اور رعیت کا تفرق و انتشار اس درجے پر پہنچ گیا ہے کہ سب کو معلوم ہے۔ چنانچہ مجھے تو سونا اور کھانا پینا دوبھر اور تلخ ہو گیا۔ اس بارے میں آپ سے دعا مطلوب ہے۔ میں نے کہا کہ پہلے ہی میں دعا کرتا تھا اور اب تو انشاء اللہ اور زیادہ دعا میں مشغول رہوں گا۔"

یہی نہیں بلکہ شاہ صاحب نے درباری امرا کے محدود حلقے سے باہر نکل کر ان امرائے سلطنت، آزمودہ کار قائدین افواج اور عالی حوصلہ سرداروں سے خط و کتابت کی جن کے خاکستر میں ان کو دینی حمیت اور قومی عزت کی کوئی دبی ہوئی چنگاری نظر آئی، مثلاً وزیر مملکت آصف جاہ، نواب فیروز جنگ نظام الملک احمد شاہی، عمادالملک وزیر، تاج محمد خان بلوچ، نواب مجد الدولہ بہادر، نواب عبیداللہ کشمیری، میاں نیاز گل خاں اور سید احمد روہیلہ لیکن ان کی نگاہ انتخاب و اختصاص اس عہد کی دو عظیم شخصیتوں پر پڑی جن میں سے ایک ہندوستان کے اندر کی تھی اور ایک باہر کی۔ ہماری مراد امیر الامرا نواب نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی والی افغانستان سے ہے۔

شاہ صاحب نواب نجیب الدولہ کو "رئیس المجاہدین" کے لقب سے یاد فرماتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس شخص میں وہ تمام صفات و خصائص پائے جاتے تھے جو عہد قدیم میں بانیان سلطنت کی خصوصیت تھے، شاہ صاحب نواب نجیب الدولہ کے نام خطوط میں دعا و تہنیت پر اکتفا نہیں کرتے۔ ان کو بڑے مفید بنیادی مشورے بھی دیتے ہیں اور ان غلطیوں اور واقعات کے اعادے سے محتاط و محترز رہنے کی تلقین بھی فرماتے ہیں جو اس سے پہلے حملہ آوروں اور مسلمان افواج سے ظہور پذیر ہوئے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"جب افواج شاہی کا گزر دہلی میں ہو تو اس وقت اس بات کا پورا انتظام و اہتمام ہونا چاہیئے کہ شہر سابق کی طرح ظلم سے پائمال نہ ہو جائے۔ دہلی والے کئی مرتبہ لوٹ مار، ہتک عزت، اور بے آبروئی کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اسی وجہ سے مطلب برآری اور مقاصد میں تاخیر پیش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آرہی ہے کہ مظلوموں کی آہ بھی اثر رکھتی ہے۔ اگر آپ اس بار چاہتے ہیں کہ وہ کام جو تشنۂ تکمیل تھے مکمل ہو جائیں تو اس بات کی پوری تاکید و پابندی ہونی چاہیئے کہ کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جو ذمی کی حیثیت رکھتے ہیں تعرض نہ کرے" لله

اسی نصیحت اور بار بار کی تاکید کا نتیجہ تھا کہ بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی،

"وہ جس وقت بستر مرگ پر آخری سانس لے رہا تھا تو اس نے اپنی فوجوں کو (جو اس کے ساتھ باڑے کے مقام پر تھیں گڑھ کا میلہ ہو رہا تھا) حکم دیا کہ گنگا کے میلے میں آنے جانے والے ہندو یاتریوں کے جان و مال کی پوری حفاظت کی جائے"۔

اس وقت ملک کے خلفشار پسندوں نے اپنی فوجی طاقت اتنی بڑھائی تھی کہ ملک کی کوئی واحد فوجی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی تھی۔ اس کے لئے ایک تازہ دم بیرونی فوجی قائد کی ضرورت تھی، جو اس ملک کے لئے مطلقاً اجنبی اور نووارد نہ ہو۔ اس کام کے لئے شاہ صاحب کی نظر انتخاب احمد شاہ درانی (۱۷۲۲ء تا ۱۷۷۲ء) والی قندھار پر پڑی۔ اس نے ۱۷۴۷ء سے ۱۷۶۹ء تک ہندوستان پر نو حملے کئے شاہ صاحب اور نواب نجیب الدولہ کی دعوت اور پانی پت کے معرکے سے پہلے وہ چھ مرتبہ ہندوستان آچکا تھا وہ ملک کے نشیب و فراز، طریقہ جنگ، فوجی طاقتوں کے تناسب اور امراؤ اراکین سلطنت کے رجحانات سے واقف تھا، وہ اٹھارویں صدی عیسوی کے ان ممتاز ترین فوجی قائدین میں تھا جو عرصہ دراز کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ اور مستقل حکومتوں کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اس نے بڑی خوبی و کامیابی کے ساتھ منتشر افغانوں کی شیرازہ بندی کی منصفانہ قوانین جاری کئے، محکمہ احتساب قائم کیا، سپہ گری، مکارم اخلاق اور شرافت نفس کی صفات کا جامع تھا، علم و ادب کا ذوق رکھتا تھا، وقار و رعب کے ساتھ اپنی قوم میں محبوب و مانوس بھی تھا، دیندار پابند مذہب اور علماء و صلحا کی مجالست کا خواہش مند، سادات و مشائخ کا ادب کرنے والا، اپنے مذہبی معلومات میں اضافہ اور علمی تبادلہ خیال کا شائق رحم دل و فیاض، مساوات اور مذہبی رواداری پر عامل تھا۔ اس نے بعض ایسی سنتوں کا احیا کیا، جن کا افغانی ماحول میں نام لینا بھی مشکل تھا۔ فریزر نے لکھا ہے:

"مشرقی ممالک کی بہت سی خرابیوں سے احمد شاہ مبرا تھا، شراب نوشی، افیون وغیرہ سے اجتناب کلی کرتا تھا لالچ اور منافقانہ حرکتوں سے پاک تھا۔ اس کی سادہ لیکن باوقار عادتیں اس کو ہر دل عزیز بنادیتی تھیں۔ اس تک پہنچنا آسان تھا، وہ انصاف کا خاص خیال رکھتا تھا، کبھی کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اس کے فیصلے کی شکایت نہیں کی۔"[12]

غرض شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کو نجیب الدولہ سے خطوط لکھوائے پھر براہِ راست ایک پُرزور و پُراثر خط لکھا، چنانچہ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۵۹ء میں مرہٹوں کا زور توڑنے اور نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کی مدد کرنے کے لئے ہندوستان کا قصد کیا، ایک سال ذیلی جنگوں اور جھڑپوں میں گذر گیا، بالآخر ۱۴ر جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں اور افغانوں اور ہندوستانی اسلامی متحدہ محاذ کے درمیان وہ فیصلہ کن جنگ ہوئی جس نے ہندوستان کی تاریخ کا رنگ بدل دیا اور مرہٹوں کو ہندوستان کے نئے ابھرتے ہوئے سیاسی نقشے سے باہر نکال دیا۔ اس جنگ کا مختصر حال اور نتیجہ مولوی ذکاء اللہ صاحب مولف "تاریخ ہندوستان" کے الفاظ میں لکھا جاتا ہے۔

"لڑائی میں بڑا گھمسان ہوگیا مگر اب بھی مرہٹوں کا پلہ بھاری تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے اپنے بھگوڑے سپاہیوں کو گھیر کر قتل کرنے کا حکم سنایا، اور کہہ دیا جو بھاگے گا وہ مارا جائے گا۔ بعد اس کے اس نے اپنی صف کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، ایک سپاہ کو اپنے بائیں طرف دشمن کے بازو پر حملے کا حکم دیا اس تدبیر کا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا۔ قلب سپاہ میں بھاؤ، بسواس راؤ گھوڑوں پر سوار لشکر کو لڑا رہے تھے، خنجر اور کھانڈے بازی ہو رہی تھی کہ یکایک خدا معلوم کیا ہوا کہ مرہٹوں کے لشکر کا قدم میدان جنگ سے اٹھ گیا۔ قدم کا اٹھنا تھا کہ میدان جنگ کا ان کے مُردوں سے بھرنا تھا۔ لشکر اسلامیہ نے ان کا تعاقب بڑے جوش و خروش سے ہر جانب میں پندرہ پندرہ بیس بیس میل تک کیا اور مرہٹوں کو مار مار کر ڈھیر کر دیا۔ جو مرہٹے ان کے ہاتھ سے بچ گئے ان کو گنواروں نے مار ڈالا بسواس راؤ اور بھاؤ مارے گئے۔ سندھیا کو کسی درانی نے چھپا رکھا تھا وہ بھی تلاش کرنے سے پکڑا گیا اور مارا گیا۔ ابراہیم خان گاردی بھی قید ہوا۔ ایک ہفتہ بعد موت نے اس کے زخموں پر بھی مرہم رکھا شمشیر بہادر بھی بھاگتے ہوئے مارے گئے۔ مالوہ میں ملہار راؤ جان بچا کر نکل گیا، آبا جی سندھیا بھی لنگڑا ہو کر وہاں جا پہنچا۔ ان دو سرداروں کے سوا کوئی اور نامور سردار نہیں بچا، مرہٹوں کو ایسی شکست کبھی نہیں ہوئی تھی، نہ ایسی مصیبت پڑی۔ اس سے ساری قوم کا دل پژمردہ و افسردہ ہوگیا۔ اس صدمے سے بالاجی بھی تھوڑے دنوں کے بعد مر گیا، جب سے شکست کی خبر سنی تھی ایک مندر میں بیٹھ کر سنسکرت پڑھانا اختیار کر لیا تھا۔"[13]

---

[12] ہسٹری آف دی افغانز ماخوذ از سیاسی مکتوبات، ص ۲۲۵، ۲۲۶ [13] تاریخ ہندوستان (جلد نہم) ص ۳۰۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بقول ایک مورخ کے مرہٹوں کی طاقت چشم زدن میں کافور کی طرح اڑ گئی، سر جدو ناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ مہاراشٹر میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں صف ماتم نہ بچھ گئی ہو، لیڈروں کی پوری نسل ایک ہی معرکے میں غائب ہو گئی اس فتح کے بعد احمد شاہ ابدالی پانی پت سے دہلی آیا اور چند روز یہاں قیام کیا۔ اس نے ہندوستان کا بادشاہ شاہزادہ عالی گوہر یعنی شاہ عالم کو مقرر کیا اور بادشاہ نے شجاع الدولہ کو وزیر اور نجیب الدولہ کے امیر الامراء ہونے کی سفارش کی شاہ عالم اس وقت دہلی میں نہ تھا اس لئے اس کے بیٹے جواں بخت کو بادشاہ کا نائب اور نجیب الدولہ کو دہلی کا منتظم مقرر کیا، اور خود قندھار کو چلا گیا۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

"جنگ پانی پت کے بعد احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کو دہلی بلانے کی بے حد کوشش کی اور اپنا آدمی بھیجا جب وہ نہ آیا تو احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کی والدہ نواب زینت محل سے خط لکھوایا احمد شاہ نے شاہ عالم کو بلانے کی کوشش اس لئے کی تھی کہ وہ انگریزوں کے اثر سے نکل آئے اور دہلی آکر احمد شاہ کی موجودگی میں اپنی طاقت کا استحکام کرے اگر سلطنت میں تھوڑی سی جان ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے نتائج سے فائدہ اٹھا کر اپنے اقتدار کو ہندوستان میں پھر کچھ صدیوں کے لئے قائم کر سکتی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت اس وقت بے روح جسم کی مانند تھی، جنگ پانی پت کا اصلی فائدہ تو فاتحین جنگ پلاسی نے اٹھایا۔"[۱۴]

شاہ عالم نے اپنی پست ہمتی اور کوتاہ نظری سے یہ زریں موقع کھو دیا اور ساری کوششوں اور خود اپنی والدہ زینت محل کے مشفقانہ خط کے باوجود پورے دس سال کے بعد ۲۵ دسمبر ۱۷۷۱ء کو قلعے میں داخل ہوا۔ اس کے بعد اس کے اور اس کے جانشینوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ تاریخ میں تفصیل سے درج ہے۔ اس کا نقطہ عروج ۱۸۵۷ء کا انقلاب سلطنت بلکہ انتزاع سلطنت ہے جو انگریزوں کے ہاتھوں پیش آیا جنھوں نے اپنی چالاکی اور سیاسی ذہانت سے ہندوستان پر تسلط کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

شاہ صاحب کے بعد ان کے صحیح جانشین اور علم و بصیرت اور غیرت و حمیت دینی کے وارث ان کے فرزند ارجمند سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز نے اپنے والد نامدار کے شروع کئے ہوئے کام کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اس کی توسیع و تکمیل کی کوشش کی اور سیاسی حالات کی تبدیلی کے ساتھ اپنی توجہ اس وقت کے سیاسی میدان کے اصل حریف اور حقیقی طاقت (انگریزی اقتدار) کی طرف موڑ دی جس نے اب "خطرے" سے بڑھ کر "واقعے" کی شکل اختیار کر لی تھی۔ جس کے دیکھنے کے لئے بصارت بھی کافی ہوتی ہے۔

۱۴ھ سیاسی مکتوبات، ص ۴۵

© rasailojaraid.com